محمد عمر فاروق

مجرم کون............؟

ظالم صرف وہی نہیں کہلاتا جو کسی پر ظلم کرتا ہے۔ بلکہ اصل ظالم تو سہتا ہے، مگر ظالم کے خلاف آواز بلند نہیں کرتا۔ بلکہ لب سی لیتا ہے اور اسے کھل کھیلنے کے مواقع میسر کرتا ہے۔ درحقیقت مجرم وہی ہے جو اپنی بے زبانی سے ظالم کو شہ دیتا ہے اور پوری قوم کے ناتواں وجود کو خونی درندوں سے نچوا دیتا ہے آج کل خود سوزی کے واقعات عام ہو رہے ہیں۔ خود کو آگ کے شعلوں کے سپرد کر کے یہ خیال کرنا کہ حق مل جائے گا۔ محض خام خیالی اور احمقانہ سوچ ہے۔ حق ملتا نہیں، چھیننا پڑتا ہے۔ حرام موت مرنا اور اہل خانہ کو بے رحم دنیا کے نہ بجھنے والے الاؤ کے حوالے کر دینا بذات خود ناقابل معافی جرم ہے۔ مردانگی تو یہ ہے کہ مظلوم ظالم کے خلاف سینہ سپر ہو جائے اپنی بکھیری قوتوں کو مجتمع کرنے اور غاصبوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے، نہ کہ اپنی جان عذاب میں ڈالے اور بچوں کی زندگی بھی جہنم کر دے۔

عوام جو ستم رسیدہ ہے۔ زخموں سے چور چور ہے اور اس کا انگ انگ بیدردوں کی بے طرح مار سے کر کوٹ ہو گیا ہے۔ جب تک وہ یونہی چپکے ظالموں کے جبر کو برداشت کرتی رہے گی۔ لیڈروں کا حوصلہ بڑھتا رہے گا۔ ان کی بیدرد سرپٹ گھوڑے کی طرح بے لگام رہے گی اور غریبوں کی نسلیں بھی جرم بے گناہی کی تعزیروں کی سزا وار رہیں گی۔ عوام جب یہ سمجھتی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں پانچ فیصد اشرافیہ کے بگڑے ہوئے ناخلف و ناہنجار اور معاشرے کا کوڑھ، بر گر فیملی کے فرزندان ناہموار اس کے بنیادی حقوق پر ڈاکہ زنی کر رہے ہیں لوٹ مار میں مصروف ہیں ان کے خون پسینے کی کمائی سے محل اور انیوند سٹیٹ کی تعمیر کر رہے ہیں تو کیوں ان کے منہ سے "جی حضور: اور مائی باپ" کی بجائے "غاصب"، "لٹیرے" اور "قاتل" جیسے حقیقت کے ترجمان الفاظ نہیں نکلتے؟ وہ عزتوں کی جانب بڑھتے ہوئے ہاتھ کاٹ کیوں نہیں دیتے۔ وہ ظالم کی اندھیری کے آگے آہنی دیوار کیوں نہیں بن جاتے۔ اس لیے کہ انگریزی کی عطا کردہ دو سو سالہ غلامی ہی ان کے خمیر میں رچ بس کر ان کی فطرت بن چکی ہے؟ قربانی تو دینی پڑتی ہے۔ خون بہے بغیر تبدیلی کم ہی آیا کرتی ہے۔ انسان کو زندگی ایک بار ہی ملتی ہے اور یہ زندگی حق کی خاطر لڑتے ہوئے قربان ہو جائے تو بڑے نصیبوں کی بات ہے۔

جب تک عوام صدائے حق کا نقارہ نہیں بجائیں گے۔ ان کے حقوق اور جان و مال پر ڈاکے پڑتے رہیں گے۔ عزتیں تاراج ہوتی رہیں گی اور صدیوں سے برسر اقتدار آقاؤں کی تازہ بہ تازہ کھیپ

تیار ہوتی رہے گی۔ غریب اپنے بیمار بچے کو ہسپتال لے جانے کے لئے رکشے اور تانگے کا کرایہ نہیں رکھتا۔ جبکہ مرزا اسلم بیگ، عمران خان، آفتاب شعبان میرانی، کمال اظفر اور آصف فصیح الدین وردگ جیسے سینکڑوں غمگسارانِ قوم پی آئی اے کے مفت ٹکٹ حاصل کر کے اس قومی ادارے کو اربوں ڈالر کا نقصان پہنچا چکے ہیں۔ عوام کیوں نہیں پوچھتی کہ جھنگ کی جاگیردارنی عابدہ حسین کو لیز پر ۶۰۰ ایکڑ اراضی کس استحقاق پر دی گئی ہے۔ عوام وزیراعظم سے جو قوم کا محافظ ہوتا ہے یہ سوال کیوں نہیں کرتی کہ "اے وزیراعظم پاکستان! جب آپ خود اعتراف کر چکے ہیں کہ "۸۰ کروڑ کے منصوبے پر صرف ۲۰ روڑ خرچ کیے جاتے ہیں اور باقی ۶۰ کروڑ روپے کرپشن کی نذر ہو جاتے ہیں" تو آپ کو کیا امر مانع ہے کہ ان قومی ناسوروں کو جراح کے نشتر سے "چیر" دے کر عوام کا لوٹا ہوا سرمایہ قومی خزانے میں واپس لائیں۔ کیوں آپ کے دعوے آپ کے عمل کے برعکس ثابت ہو رہے ہیں۔ کیا آپ کے علم میں نہیں ہے کہ یکم جنوری ۱۹۹۷ء کے بعد سے ایک سو چوالیس ارب روپے کے صنعتی و زرعی شعبوں کو دیئے گئے قرضوں میں سے سرکاری و غیر سرکاری بینکوں نے پندرہ ارب روپے (دس فیصد سے بھی زائد) کے قرضے معاف کر دیئے ہیں۔ اس طرح جاگیرداروں کو ان کا من بھاتا راتب دے کر غریب ملک اور عوام پر قرضوں کا مزید بوجھ لاد دیا گیا ہے۔

میرے ملک کے بے زبان لوگو! اب تو بولو۔ خدا کے لیے اب تو جاگو۔ تمہاری نیند کی سنگینوں کے آگے پہاڑوں کے دل بھی چھوٹ گئے ہیں۔ تم کھیتوں اور کھلیانوں میں رات دن ایک کر کے جو چند ٹکے اکٹھے کرتے ہو۔ آخر جاگیردار انہیں کیوں اٹھا کر لے جاتا ہے۔ دو ہزار جعلی ایگریکلچرل کریڈٹ کوآپریٹو سوسائٹیوں کے ذریعے ہر سال نادار کسانوں کے پانچ ارب روپے کون ہڑپ کر رہا ہے۔ صرف آٹھ ہزار وڈیرے ڈیڑھ کھرب روپے کے قرضے کیوں دبائے بیٹھے ہیں۔ تمہارے منتخب کردہ ۹۰ فیصد نمائندے ملک کے بڑے نادہندہ ہیں۔ جن کے حلقہ انتخاب کی حد بندیاں ۱۹۴۵ء میں انگریزوں نے اپنے منظور نظر افراد کو کامیاب کرانے کے لئے قائم کی تھیں۔ وہ آج بھی اسی صورت میں موجود ہیں۔ تم کیوں بے خبر ہو کہ تمہاری قسمتوں کو بدل دینے کے دعویداروں میں سے صدر ایوب نے اپنے دور میں ۵۴ ارب، صدر محمد ضیاء الحق نے ڈیڑھ کھرب، بے نظیر بھٹو نے ایک کھرب اور محمد نواز شریف نے ۱۰۰ ارب روپے کے قرضے لیے۔ لیکن تمہیں کیا حاصل ہوا، مہنگائی، بے سکونی، بدامنی اور بیروزگاری۔ اور پھر بھی تم نے ان پر اعتماد کیا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم نے اپنی قوم کی اسی فطرت کے پیش نظر کہا تھا کہ "میری یہ قوم ڈنڈے والے کے آگے آگے اور پیسے والے کے پیچھے پیچھے بھاگتی ہے۔ میری قوم کب اپنی قسمت کو جگائے گی اور کب خلق خدا کا راج ہو گا۔ لیکن جب غیر ملکی مشروبات پی کر ۳ ارب ۸۴ کروڑ روپیہ

سالانہ یہودی کمپنیوں کی جیبوں میں ڈالا جائے۔ ہر سال ۱۶، ارب روپے کی چائے پی جائے، ۱۵ ارب روپے کے پان چبائے جائیں، ۱۲ ارب روپے سگریٹ کے مرغولوں میں اڑا دیئے جائیں اور ۲، ارب روپے ہر سال مٹھائیوں کی عیاشیوں پر برباد کر دیئے جائیں تو خوش بختی کا سورج کب اور کیسے طلوع ہو سکتا ہے؟ سرمایہ دار تو ایک دوسرے کے مفادات کی رکھوالی کرتے اور آپس میں متحد رہتے ہیں۔ لیکن دیکھنے والے جانتے ہیں کہ غریب، غریب کا دشمن اور ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہوتا ہے۔ غریب جب آپس میں لڑ پڑے تو اپنے ہی بھائی بندوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا ہے۔ جو قوت باہمی نزاعات کی بدولت منتشر ہے۔ اسے یک جان کرنے کی ضرورت ہے۔ فریب نظری کی بجائے حقیقت شناسی وقت کا ناگزیر تقاضا ہے۔ کھرے اور کھوٹے رہنما کی صحیح پہچان قوموں کی موت و حیات کا فیصلہ کن مرحلہ ہوتا ہے۔ راہبر ایسے نہ ہوں کہ دعوی دینی انقلاب لانے کا کریں اور اداکارہ انجمن کو دوبارہ فلموں میں لانے کے لیے سٹوڈیو میں جا براجیں۔ قادیانیوں کا مانند الماموں سے کام نہ چل سکے تو جہاد کشمیر کے خلاف بیان بازی کا مشغلہ اپنا لیں۔

انقلاب کے لیے کسی جبے قبے یا عماموں اور عباؤں کی مطلقاً ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ حدیث مبارکہ میں ایک ناک کٹے ہوئے حبشی مسلمان کی قیادت و اطاعت تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ انقلاب جب بھی آئے گا۔ عوام کے نچلے طبقے سے ہی آئے گا۔ اور انقلاب کا سہرا اسی کے سر پر سجے گا جو خود کردار کی قابل تقلید مثال ہو گا۔ قیادت و امامت اسی کے ماتھے کا جھومر ہو گی جو بینک کا دیوالیہ نہ ہو گا۔ رشوت جس کے قریب سے نہ گزری ہو گی۔ جو حقوق و فرائض کی ادائیگی، حلال و حرام کی تمیز اور امانت و خیانت میں امتیاز کا خوگر ہو گا۔ وہ فرشتہ نہیں بلکہ مومنانہ صفات عالیہ سے پیراستہ انسان ہو گا اور اس گئے گزرے دور میں بھی ایسے سینکڑوں لوگ موجود ہیں جن کا دامن اکثر آلودگیوں سے پاک ہے اور وہ قیامت کا بوجھ اٹھانے کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں۔ مگر وہ ہماری بے حسی کے سنگلاخ پتھروں سے سر پھوڑ کر خود نیم جان ہو رہے ہیں اور ہماری خاموشی ہے کہ قبرستان کی خاموشی سے کہیں زیادہ گہری اور طویل سے طویل تر ہوتی جا رہی ہے۔

ضرورت اب صرف اس بات کی ہے کہ میرے ملک کے سوئے ہوئے عوام اٹھیں اور ظلم سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ پیدا کریں۔ ظلم سہیں نہیں بلکہ استبداد کا منہ توڑ دیں۔ اس فرسودہ اور امر الامراضی نظام کا جوا اتار پھینکیں تو وہ وقت دور نہیں۔ جب قوت کی زمام ان کے پاس ہو گی اب کوئی پیغمبر آئے گا نہ کوئی مسیحا بلکہ ہمیں آگے بڑھ کر خود مسیحا کا کردار ادا کرنا ہے۔ تاکہ پاکستان و قطعتاً عالم اسلام کی قیادت و رہنمائی اور تاجوری کا بار گراں اٹھانے کے قابل ہو سکے جو ہماری دینی و قومی ذمہ داری ہے اور وقت کا ناگزیر تقاضا بھی ہے۔